© rasailojaraid.com

ہندوستان کی شرعی حیثیت

(از — سعید احمد اکبرآبادی)

—— (۳) ——

اب سوال یہ ہے کہ اگر ہندوستان دارالحرب نہیں ہے تو کیا ہے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں جو دو عام مغالطے پیش آتے رہے ہیں انھیں دور کر دیا جائے:

دارالاسلام اور دارالحرب میں نسبت کونسی ہے؟

پہلا مغالطہ یہ ہے کہ اسلام میں دار دو ہی ہیں، ایک دارالاسلام اور دوسرا دارالحرب اور ان دونوں میں نسبت تناقض کی ہے۔ یعنی اگر کوئی ملک دارالاسلام نہیں ہے تو وہ دارالحرب ضرور ہوگا اور اسی طرح اگر وہ دارالحرب نہیں تو لازمی طور پر دارالاسلام کہلائے گا۔ یہ ایک ایسی ہمہ گیر غلط فہمی ہے جو ہمارے علماء کو شروع سے آج تک پیش آتی رہی ہے اور اسی غلط فہمی کا یہ نتیجہ ہے کہ جن ممالک پر درحقیقت نہ دارالحرب کی تعریف صادق آتی ہے اور نہ دارالاسلام کی (مثلاً انگریزوں کے زمانہ کا ہندوستان کہ اُس میں مذہبی آزادی اور معاشی آزادی تو تھی لیکن اسلام کا قانون نافذ نہ تھا) اُن کے متعلق علماء میں اختلاف پیدا ہو گیا، کسی نے اُن کو دارالحرب کہا اور کسی نے دارالاسلام اور کسی نے کوئی ایک دو ٹوک بات کہنے سے انکار ہی کر دیا، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں میں نسبت تناقض کی نہیں جو ایک کا ارتفاع دوسرے کے وجود کو مستلزم ہو، بلکہ یہ دونوں وجودی ہیں اور اس بنا پر ان میں تضاد کی نسبت ہے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ملک دارالحرب بھی ہو اور دارالاسلام بھی۔ البتہ ایک ملک ایسا ہو سکتا ہے کہ نہ دارالحرب ہو اور نہ دارالاسلام۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا دار العہد دار الامن دار الحرب کے اقسام ہیں

دوسرا مغالطہ جو در اصل پہلے مغالطہ کا ہی شاخسانہ اور نتیجہ ہے یہ ہے کہ دار الحرب سے ہجرت ضروری نہیں ہے۔ کیوں کہ دار الحرب دار الامان بھی ہو سکتا ہے اور دار العہد بھی۔ چنانچہ مولانا محمد سہول سابق صدر مفتی دار العلوم دیو بند مولانا گنگوہی کے مذکورۃ الصدر فتوی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دار الامان ہے۔ یعنی جس طرح حبشہ قبل ہجرت شریف کے باوجود دار الحرب ہونے کے دار الامان تھا اسی طرح سے آج کل ہندوستان بھی دار الامان ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت ضروری نہیں ہے"

اس دعویٰ کے ثبوت میں فتح الباری اور اشعۃ اللمعات سے دو عبارتیں نقل کرنے کے بعد بطور حاصلِ بحث کے لکھتے ہیں :-

"خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سب سے اول مدینہ منورہ ہی دار الاسلام بنا ہے اور اس کے قبل دو ہی قسم کے دار الحرب تھے۔ دار الامان جیسے حبشہ اور دار خوف و شر جیسے مکہ مکرمہ !" [1]

یہی رائے مولانا محمد میاں مراد آبادی کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

"غیر مسلم اسٹیٹ کو دار الحرب کہا جاتا ہے۔ اگرچہ وہاں جنگ اور حرب نہ ہو بلکہ مسلمانوں سے صلح ہو یا امن و حفاظت کا کوئی معاہدہ ہو یا اس اسٹیٹ کا قانون ایسا ہو کہ مسلمان اس قانون کے ماتحت محفوظ رہیں۔ اگر وہ مسلم اسٹیٹ نہیں ہے تو دار الاسلام نہیں ہے"

اس کے بعد حبشہ کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"لیکن ہر دار الحرب سے نکل جانا ضروری نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کو حبشہ بھیج دیا تھا، حالانکہ وہ بھی دار الحرب تھا۔ مگر وہاں مسلمانوں کو امن مل جاتا تھا" [2]

---

[1] فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب و دار الاسلام، آخری صفحہ

[2] اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۷ر مئی ۱۹۶۶ء ص ۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا نجم الدین اصلاحی جنھوں نے مکتوباتِ شیخ الاسلام کو مرتب کیا اور اُس پر فاضلانہ حواشی لکھے ہیں انھوں نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

"دارِ حرب کی دو قسمیں ہیں، دارالامن اور دارالغرار (اصل کتاب میں غلطی سے قرار چھپ گیا ہے) دارالامن وہ ہے کہ اُس میں مسلمان بادشاہ اور اسلامی قوانین نہیں ہیں، لیکن مسلمان وہاں عبادت میں آزاد ہیں جیسے ہندوستان یا صلحِ حدیبیہ کے بعد مکہ معظمہ۔ دارالفرار وہ ہے جس جگہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ ہو .... خلاصہ یہ کہ دارالحرب کے اقسام میں سے دارالامن ہے جس کو دارالسلم بھی کہہ سکتے ہیں۔"[1]

اب ذرا غور کیجیے تو صاف نظر آئے گا کہ اگر کسی شخص نے اپنے لیے یہ اصطلاح بنالی ہے کہ وہ آگ کو برف اور برف کو آگ کہے گا تو بات دوسری ہے، کیوں کہ لا مشاحۃ فی الاصطلاح، ورنہ سچی بات یہ ہے کہ دارالامان اور دارالسلم کو دارالحرب کی قسم قرار دینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ آگ کی قسم ایک ایسی بھی ہے جو جلاتی نہیں ہے، یا ایلوہ کی قسم ایک ایسی ہے جو کڑوی نہیں ہوتی، حرب و قتال اور سلم و امان (WAR AND PEACE) دونوں متضاد ہیں، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک موضع میں بیک وقت دونوں کا اجتماع ہو جائے۔ اگر کسی چیز کو بیک وقت آپ سیاہ اور سفید اور کسی عورت کو بیک وقت بیوی اور اجنبیہ نہیں کہہ سکتے تو بے شبہ ایک ملک کو دارالحرب اور دارالامان معاً بھی نہیں کہہ سکتے، اصل یہ ہے کہ دارالامان اور دارالعہد' دارالحرب کی قسمیں نہیں ہیں، بلکہ قسیم ہیں، اور اس بنا پر دار کی ۲ قسمیں نہیں ہیں۔ بلکہ چار ہیں یعنی (۱) دارالاسلام (۲) دارالحرب (۳) دارالامان (۴) دارالعہد' اور چونکہ یہ باہم قسیم ہیں اس لیے ایک قسم دوسری قسم کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

غلط فہمی کی بنیادی وجہ | اس غلط فہمی کی بنیادی وجہ ایک اور عام غلط فہمی ہے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی معاشرتی تعلقات کے بارہ میں ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ چونکہ اسلام اور کفر میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی اور یہ دونوں طبیعت اور فطرت کے اعتبار سے باہم متحارب ہیں اس بنا پر جس ملک میں کفر کو اقتدارِ اعلیٰ

---

[1] مکتوباتِ شیخ الاسلام ج ۱ ص ۱۶۹ (حاشیہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل ہوگا وہ طبعی طور پر دارالحرب ہی ہوگا، لیکن حق یہ ہے کہ دو چیزیں بالکل الگ الگ ہیں، ایک ہے نفسِ ایمان اور کفر کا باہمی تعلق اور دوسری ہے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے دُنیوی اور معاشرتی تعلقات اور روابط۔ جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے تو جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور اُن میں مسالمت یا مصالحت ممکن نہیں ہے، لیکن جہاں تک مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات و روابط کا تعلق ہے تو اس میں بڑی وسعت ہے، اُس کے متعدد اقسام و انواع ہیں اور معاشرتی و سماجی زندگی میں اسلام غیر مسلموں کے ساتھ بھی وہی اعلیٰ اخلاق و فضائل برتنے کا حکم دیتا ہے جن کا حکم وہ مسلمانوں کے ساتھ برتنے کا دیتا ہے، اسلام وحدتِ انسانیت کا بھی داعی ہے اور مساواتِ انسانی کا بھی، جس طرح اسلام کا خدا ربّ العٰلمین ہے اسی طرح اُس کا پیغمبر رحمۃ للعالمین ہے۔ پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کو اصلاً باہم متحارب اور عہد و صلح کو ایک "امر عارض" قرار دیا جائے اور اسی ایک بنیاد پر دعویٰ کیا جائے کہ غیر مسلموں کا ملک اصلاً "دارالحرب" ہوگا۔ اس فرق کو آپ اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ شرک کو قرآن نے نجاست کہا ہے مگر مشرک کو جسمانی اور مادی اعتبار سے نجس کوئی نہیں کہتا، چنانچہ اُس کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور ایک ہی مکان میں رہنا سہنا سب جائز ہے۔

ہم نے اوپر دار کی جو چار قسمیں بیان کی ہیں اُن میں پہلی قسم یعنی دارالاسلام تو خارج از بحث ہی ہے اب رہیں باقی تین قسمیں تو اب ہم قرآن مجید اور تاریخ و سنّت سے اُن کا ثبوت پیش کرتے ہیں:

اس سلسلہ میں ہمیں امورِ ذیل پر غور کرنا چاہیے:

(الف) از روئے قرآن غیر مسلموں کے ساتھ اصل حرب یا صلح و آشتی۔ اسی کو آج کل کی اصطلاح میں ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام پُرامن حیاتِ باہم (PEACEFUL CO-EXISTENCE) یا زندہ رہو اور زندہ رہنے دو" (LIVE AND LET LIVE) کا قائل ہے یا نہیں۔

(ب) اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہے تو قرآن میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی کتنی قسمیں ہیں؟ اگر ایک نہیں بلکہ کئی قسمیں ہیں اور ہر قسم اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے اور کوئی قسم کسی دوسری قسم کی تابع نہیں تو اُس سے خود بخود یہ ثابت ہو جائے گا کہ تعلقات کی جتنی قسمیں ہیں اتنی ہی غیر مسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممالک کی قسمیں ہوں گی اور وہ سب مستقل بالذات ہوں گی۔

پُرامن بقائے باہم اب آئیے پہلے اس پر بحث کریں کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے سلسلہ میں اصل حرب کو قرار دیتا ہے یا پُرامن بقائے باہم کو، ہر شخص جس نے قرآن پر ایک نظر بھی ڈالی ہے اچھی طرح جانتا ہے کہ قرآن میں فتنہ وفساد، شرانگیزی اور ظلم وجور کی جگہ جگہ سخت مذمت اور فتنہ انگیزوں کے لئے شدید وعید بیان کی گئی ہے یہاں تک کہ فرمایا گیا:-

اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ — فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت (یعنی ناقابلِ برداشت) ہے

ایک مسلمان اور غیر مسلم میں مذہب کے سوا اور کسی چیز کا اختلاف نہیں ہے۔ اس بنا پر مذہب کی تبلیغ اور اُس کی طرف دعوت جس طرح ہر انسان کا ایک طبعی حق ہے مسلمان کا بھی ہے۔

ساری دنیا کا ایک مذہب نہیں ہوسکتا لیکن اس سلسلہ میں دو باتیں یاد رکھنے کے لائق ہیں، ایک یہ کہ فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ جس طرح ہر چیز میں یہاں تنوع اور رنگا رنگی ہے اسی طرح مذہب بھی کبھی ایک نہیں ہوسکتا اور اُس میں اختلاف وتنوع برابر قایم رہے گا۔ چنانچہ حضور پُرنور کو خطاب کرکے فرمایا گیا:

(۱) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ - وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ[۱]

اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک اُمت ہی بنا دیتا اور یہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ بجز اُن لوگوں کے جن پر تیرے رب نے رحم کیا ہے، اور اسی کے لیے ان کو پیدا کیا ہے۔

(۲) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ[۲]

اور اگر تیرا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں وہ سب ہی ایمان لے آتے تو کیا (پھر بھی) آپ لوگوں پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

(۳) وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ط

اگرچہ ان لوگوں کی روگردانی آپ پر بہت شاق ہے لیکن اگر آپ کے بس میں ہے تو (جائیے) زمین میں کوئی سُرنگ یا آسمان کے لیے کوئی زینہ تلاش کیجیے اور ان

---

[۱] سورۂ ہود ۱۱۸-۱۱۹- [۲] سورۂ یونس ۹۹-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى لوگوں کے لیے ایک نشانی لے آئیے (جسے دیکھ کر سب ایمان لے آئیں)
فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔[1] اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پس آپ نادان نہ بنیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ عام لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا:-

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک اُمت بنا دیتا لیکن
وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ خدا نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اُس میں وہ تمہارا امتحان لیتا ہے
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ اس لیے نیکیوں میں مسابقت کرو، خدا ہی کی طرف
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ تم سب کو لوٹ جانا ہے اور پھر (قیامت میں) جن چیزوں
بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ[2] میں تم اختلاف کرتے تھے خدا اُن سے تم کو آگاہ کرے گا۔

ان آیات کا منشا یہ ہے کہ جب یہ اختلافِ ادیان و مذاہب بحکمِ مشیتِ ایزدی قائم اور برقرار رہے گا ہی تو تبلیغ و دعوت الی اللہ جو تمہارا فرض ہے وہ انجام دیے جاؤ لیکن محض اختلافِ مذہب کی بنیاد پر کسی سے شخصی مخاصمت اور دشمنی رکھنا دینِ حق کی تعلیم نہیں ہے۔ مرض چھوٹا ہو یا بڑا بہرحال قابلِ نفرت ہے اور اُس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، لیکن جو شخص آپ کے خیال میں مریض ہے وہ آپ کی نفرت کا نہیں بلکہ ہمدردی کا مستحق ہے

مذہب میں جبر و اکراہ نہیں ہے | اور دوسری بات یہ ہے کہ مذکورۂ بالا آیات کے پہلو بہ پہلو ہی وہ آیات ہیں جن میں حضورؐ کو خطاب کر کے صاف صاف فرمایا گیا کہ آپ صرف مُبلّغ ہیں، مذکر ہیں، آپ نہ اُن لوگوں پر مسلط ہیں اور نہ آپ ان کے اجارہ دار ہیں۔ پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ مذہب میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہو سکتا۔ حق اور ناحق دونوں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیے گئے۔ اب جس کا جو جی چاہے کرے۔ جو جیسا کرے گا خدا کے ہاں ویسا ہی پائے گا۔ چنانچہ آیاتِ ذیل پر غور فرمائیے:

فَذَكِّرْ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ پس آپ نصیحت کیجیے، آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں
لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۙ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى آپ ان پر مسلط نہیں ہیں مگر ہاں جو شخص سرکشی اور کفر
وَكَفَرَ ۙ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ؕ کرے گا تو اللہ اُس کو بڑا عذاب دے گا۔ بے شبہ

---

[1] الانعام ۳۵ - [2] المائدۃ آیت ۴۸ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا — ہماری ہی طرف ان سب کو آنا ہے اور ہمارے

حِسَابَهُمْ ۝ (الغاشیہ آیۃ ۲۱) — ذمہ ہی ان کا حساب ہے۔

یہ آیات مکی ہیں جب کہ مسلمان کمزور اور تعداد میں بہت کم تھے، لیکن مدینہ میں جب اُن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ ایک عظیم الشان طاقت و قوت کے مالک تھے، وہاں بھی تبلیغ کے سلسلہ میں جو احکام نازل ہوئے وہ سب یہی تھے، چنانچہ مدنی آیات ہیں :-

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ — آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ عَلَيْكُمْ — کرو۔ لیکن اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو پھر پیغمبر اپنے

مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا — بوجھ کا ذمہ دار ہے اور تم لوگ اپنے بوجھ کے، اور اگر

عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ — تم پیغمبر کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاجاؤگے اور پیغمبر

الْمُبِينُ۔ (النور آیت ۵۴) — کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہونچا دینا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا :

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ — دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے

مِنَ الْغَيِّ (البقرہ آیت ۲۵۶) — متمایز ہوگئی ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا :

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ — اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو (اے محمدؐ) آپ کہیے :

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ — "میرے لئے اللہ کافی ہے۔ اُس کے سوا کوئی اور

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (التوبہ) — معبود نہیں ہے میں نے اُس پر ہی بھروسہ کیا ہے اور وہ عرش عظیم

اس سلسلہ میں خاص طور پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن میں جبر و اکراہ کی نفی ہی نہیں کی گئی بلکہ اس کی بھی تصریح کردی گئی ہے کہ جو ایمان جبر و اکراہ سے قبول کیا جائے اور اُس میں دل کی خواہش اور رضامندی کو دخل نہ ہو اُس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پس جب زبردستی کا ایمان معتبر ہی نہیں ہے تو پھر جبر و اکراہ کی اجازت کیوں کر ہوسکتی ہے۔

ارشادِ حق بنیاد ہے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوْا : اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ○ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُوْنَ ○ (مومن آیت ۸۵)

پس جب ان لوگوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو بولے "ہم ایک خدا پر ایمان لے آئے اور جن چیزوں کو خدا کے ساتھ ہم شریک مانتے تھے اب ہم ان کا انکار کرتے ہیں" لیکن ہمارا عذاب دیکھنے پر اُن کا ایمان لانا اُن کے لئے نفع بخش نہیں ہوا۔ اللہ کی اپنے بندوں کے ساتھ قدیم سے سنت یہی ہے اور ایسے مواقع پر کافر بہت نقصان اٹھاتے ہیں۔

عذابِ الٰہی کی طرح موت بھی ایک جبر ہی ہے اس بنا پر جس طرح نزولِ عذاب کے وقت ایمان لانا معتبر نہیں تھا اسی طرح موت کے شکنجہ میں پھنس کر ایمان کے اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہے، چنانچہ فرمایا گیا:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ ۔ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ : اِنِّيْ تُبْتُ الْئٰنَ (النساء، رکوع ۳)

اور توبہ اُن بدکاروں کی معتبر نہیں ہوتی جن کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب اُن میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے "میں نے اب توبہ کر لی ہے"۔

اگر اسلام میں جبر جائز ہوتا تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ اپنے غیر مسلم غلام کو مسلمان بناتے۔

اب شر و فساد۔ ظلم و جور کی مذمت وحدت انسانیت، مساوات انسانی اور عدل و انصاف کی تاکید کے بارہ میں جو آیات ہیں اُن کو مذکورۂ بالا آیات کے ساتھ ملا کر پڑھیے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض اختلافِ مذہب کے باعث غیر مسلموں کے ساتھ اُن مکارمِ اخلاق اور فضائلِ علیا سے گر کر معاملہ کرنا جن کا حکم اسلام دیتا ہے جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ بُتوں کا سب و شتم، مذاق اُڑانا، پھبتی کسنا، نام بگاڑنا تک جائز نہیں ہے۔ پس جب یہ ہے تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ ہر غیر مسلم کو جو مسلم مملکت میں نہیں رہتا اُس کو حربی اور اُس کے ملک کو بہر حال دار الحرب کہا جائے۔ اسی سے یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام "پُر امن بقائے باہم" کا سرگرم حامی اور داعی ہے اور اُس کے فلسفۂ حیات میں اصل امن و امان، مصالحت و مسالمت ہے اور جنگ فقط ایک امر عارض و زوال پذیر ہے ٹھیک اسی طرح جیسے صحت، خوشی، نیکی زندگی کی اصل حقیقتیں ہیں اور ان کے بالمقابل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرض، درد وغم اور بدی عارضی امور ہیں۔ چنانچہ ایک آیت میں دنیا کے سب لوگوں کے ساتھ امن وامان اور صلح وآشتی کے ساتھ رہنے کا عہد وپیمان کرنے کا حکم صاف لفظوں میں دیا گیا ہے اور اس راہ میں جو وساوس وخطرات پیش آتے ہیں اُن سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ	اے ایمان والو! تم سب صلح وآشتی میں داخل
كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ	ہو جاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو، وہ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (البقرۃ رکوع ۲۵)	بے شبہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

ضرب وحرب اور قتال کا حکم مرض، درد وغم اور بدی امورِ عارضی سہی لیکن بہرحال یہ بھی اس دنیا کی حقیقتیں ہیں اور جب تک ان سے حفاظت اور بچاؤ اور کم ازکم ان پر قابو پانے کا بندوبست نہ ہو زندگی میں سکھ اور چین میسر نہیں آسکتے، اس بنا پر اگر انسان کے لئے فرشتہ بنا ممکن نہیں ہے تو جنگ بھی ناگزیر ہے۔ چنانچہ قرآن میں جنگ کے احکام ومسائل اور اُس کے متعلقات کا بیان بھی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ جنگ کا مقصد فتنہ وفساد کی بیخ کنی ہے اور یہ فساد خود مسلمانوں کے ایک گروہ کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف اور غیر مسلموں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف دونوں طرح ہو سکتا ہے قرآن نے ان دونوں قسموں کو بیان کرکے ان کے احکام بھی بتائے ہیں، پہلی قسم کے متعلق ارشاد ہے:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ	اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ بیٹھیں تو تم ان کے
اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا	درمیان صلح وصفائی کرادو، لیکن اگر ایک گروہ نے دوسرے
فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى	گروہ پر زیادتی کی ہے تو اب تم اُس گروہ سے جنگ کرو جو
فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ	زیادتی کر رہا ہے اور اُس وقت تک جب تک یہ گروہ اللہ
إِلَى أَمْرِ اللَّهِ (الحجرات رکوع ۱)	کے حکم کی طرف لوٹ نہ آئے۔

اس آیت میں مسلمانوں کی باہمی جنگ کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں:۔

(الف) دونوں گروہ کسی غلط فہمی یا اجتہادی خطا کے باعث لڑ رہے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ دونوں میں غلط فہمی رفع کرکے، صلح صفائی کرائی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ب) ایک گروہ حق پر ہے اور دوسرا باطل پر۔ ایک مظلوم ہے اور دوسرا ظالم: اس کا یہ حکم ہے کہ ظالم سے جنگ کی جائے اور اسے انتہا تک پہونچایا جائے۔

اور اگر یہ فساد اور شر غیر مسلموں کی طرف سے ہو تو پھر اُن سے بھی جنگ کرنی چاہئے۔ لیکن اسلام کے فلسفۂ اخلاق میں جنگ کی حیثیت "علاج بالمثل" یا "جزاء سیئۃٍ سیئۃٌ مثلھا" کی ہے۔ اس بنا پر حکم ہے کہ مقصد جب حاصل ہو جائے تو فوراً ہاتھ روک لو اور ہرگز حد سے آگے قدم نہ رکھو، ورنہ خدا کے ہاں سخت پکڑ ہوگی۔ آیات ذیل ملاحظہ فرمائیے:

(۱) وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (البقرۃ رکوع ۲۴)	اور اللہ کے راستہ میں تم اُن لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
(۲) فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ (البقرہ رکوع ۲۴)	اور جس نے تم پر دست درازی کی ہے تم بھی بس اتنی دست درازی اُس پر کرو۔
(۳) وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ (النحل رکوع ۱۶)	اور اگر تم ان کو عذاب دینے لگو تو بس اتنا عذاب دو جتنا کہ تم کو دیا گیا تھا۔

اس سے بڑھ کر حسن اخلاق۔ شرافت نفس اور لطف و کرم کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اگرچہ اس آیت میں برابر سرابر بدلہ لینے کی اجازت ہے، لیکن پھر بھی صبر کا مرتبہ بہت اونچا بتایا گیا ہے:

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ — اور اگر تم صبر کرو تو بے شبہ وہ صبر کرنیوالوں کے لئے سب سے بہتر ہے۔

غیر مسلموں کی قرآن میں تین قسمیں | جب یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام میں جنگ کا مقصد کیا ہے؟ وہ کیوں مشروع کی گئی ہے؟ اور اُس کے کیا حدود ہیں؟ تو اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ قرآن میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ کرنے کے سلسلہ میں جنگ، صلح اور امن کی تین حالتیں بیان کی گئی ہیں، انھیں تین حالتوں کے اعتبار سے اُن کی تین قسمیں ہیں اور ہر قسم کے لئے الگ الگ احکام ہیں اور انھیں احکام کی وجہ سے غیر مسلم ممالک تین قسم کے دار پر تقسیم ہوتے ہیں۔

اہلِ حرب و محاربان | ایک قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کا نہ کوئی معاہدہ ہے اور نہ جنگ۔ یہ لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرنج و مرنجان قسم کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات نہیں ہیں تو یہ ان کے درپئے آزار بھی نہیں ہیں۔ یہ نہ خود ستاتے ہیں اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی سازش میں شریک ہیں مسلمانوں کو صاف حکم ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور لطف و کرم کا معاملہ کریں۔ ارشاد ہے :-

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ	اے مسلمانو! جن لوگوں نے مذہب کی بنیاد پر تم سے
يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ	جنگ نہیں کی اور تم کو ترک وطن پر مجبور نہیں کیا اللہ
مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ	تم کو اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ایسے لوگوں کے
وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ	ساتھ نیکی اور بھلائی کا برتاؤ کرو، بے شبہ اللہ
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ [1]	انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

جو حضرات قرآن کے اسلوبِ کلام کا ذوق رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس آیت میں اگرچہ لفظ " لا ینہاکم " کے ہیں جس سے محض اباحت اور اجازت کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے لیکن درحقیقت مراد وجوب ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ایک دو نہیں متعدد مواقع پر " لاجناح " بولا گیا ہے اور وجوب مراد ہے۔ یہی مضمون ایک دوسری آیت میں بیان کیا گیا ہے :-

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا	پھر اگر وہ لوگ تم سے دوچار نہ ہوں اور تم سے جنگ نہ کریں
اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ	اور تم سے صلح کے خواہاں ہوں تو خدا تم کو ان پر زور چلانے
عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ [2]	کی اجازت نہیں دے گا۔

ارباب عہد و صلح دوسری قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جن سے مسلمانوں کا عہد و پیمان ہے، اس سلسلہ میں اسلام کے احکام بالکل صاف و صریح یہ ہیں کہ مسلمانوں کو عہد و پیمان کی پابندی صورت اور معنیٰ دونوں کے اعتبار سے کرنی چاہیے، عہد شکنی، غدر، خیانت اور فریب دینا پرلے درجہ کے معاصی کبیرہ میں سے ہے بلکہ یہاں تک حکم ہے کہ اگر مسلمانوں کو کسی بھی اس بات کی پہونچے کہ غیر مسلم دھوکہ دینے کا ارادہ کر رہے ہیں تو اُس وقت بھی وہ اللہ پر بھروسہ کریں۔ اور اپنی طرف سے پہل اُس وقت تک نہ کریں جب تک وہم و ظن یقین سے نہ بدل جائے۔

---

[1] الممتحنہ رکوع ۲ [2] نساء رکوع ۱۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ ارشاد ہوا :-

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۔ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ؕ[۱]

اور اگر وہ لوگ تم سے صلح کرنے پر آمادہ ہوں تو (اے محمد) آپ اُن سے صلح کر لیجئے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے، بے شبہ وہ سننے اور جاننے والا ہے اور اگر وہ آپکو دھوکا دینے کا ارادہ کریں تو (آپ پروا نہ کریں) بس اللہ آپ کو کافی ہے

ایک اور آیت میں فرمایا گیا :-

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۝ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ۔[۲]

اور جو شخص تم سے سلامتی اور صلح کی درخواست کرتا ہے اُس سے تم یہ نہ کہو کہ تو ایمان دار نہیں ہے، تم اس دنیا کے ساز و سامان کی طلب کرتے ہو درآنحالیکہ اللہ کے پاس بڑی بڑی نعمتیں ہیں تم (اسلام سے پہلے) ایسے ہی (دنیا پرست) تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا۔

مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جو عہد و پیمان ہوتا ہے، خدا نے اُس کو خود اپنا عہد کہا ہے، اور اس بنا پر اُس پر ثابت قدم رہنے کی سخت تاکید کی ہے :-

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۝ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ

اور جب تم معاہدہ کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو، اور قسموں کو موکد کرنے کے بعد اُن کو نہ توڑو، درآنحالیکہ تم نے اپنے اوپر اللہ کو کفیل بنا لیا ہے جو کچھ تم کرتے ہو بیشک اللہ اس کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور اُس عورت کی طرح مت بنو جو اپنا سوت کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ دے کہ تم اپنی قسموں کو اس وجہ سے فساد کا سبب بنانے کہ ایک گروہ

[۱] الانفال رکوع ۷ آیۃ ۶۱-۶۲ ۔ [۲] النساء رکوع ۱۳ ۔

© rasailojaraid.com

أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ ؎۱ — دوسرے گروہ سے زیادہ طاقتور ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ کی پابندی کا حکم اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اگر ان غیر مسلموں کے خلاف کچھ مسلمان بھی مدد طلب کریں تو حکم ہے کہ ان کی مدد نہیں کرنی چاہیے :-

وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ؎۲

اور اگر وہ (مسلمان) دین کے معاملہ میں تم سے مدد کے طالب ہوں تو تم پر اُن کی مدد کرنا واجب ہے۔ البتہ ہاں اُس قوم کے خلاف نہیں جن میں اور تم میں عہد و پیمان ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں اگرچہ لفظ "قوم" ہے جس کا اطلاق مسلم اور غیر مسلم دونوں پر ہو سکتا ہے، لیکن "فی الدین" اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں قوم سے مراد غیر مسلم ہی ہیں، کیوں کہ مسلمان دین کے معاملہ میں جس مدد کے خواہاں ہیں وہ غیر مسلموں کے ہی خلاف ہو سکتی ہے۔

ایک اور آیت میں خاص مشرکین سے معاہدہ کا تذکرہ ہے :-

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ؎۳

مگر ہاں جن مشرکین کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا ہے، پھر ان لوگوں نے تمہارا کوئی حق کم نہیں کیا ہے اور تمہارے برخلاف کسی کی مدد بھی نہیں کی ہے تو (اے مسلمانو) تم اس معاہدہ کی مدت تک اس کو پورا کرو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

مندرجۂ بالا اور ان کے علاوہ دوسری آیات میں مسلمانوں کو معاہدہ کی پابندی کا حکم جس تاکید اور قوت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پر کس طرح عمل کیا؟ اس کا اندازہ صلح حدیبیہ کے اس

؎۱ النحل ۹۱-۹۲ عہدِ جاہلیت میں قریش کا طریقہ یہ تھا کہ جس قبیلہ کو زیادہ طاقتور پایا اُس سے معاہدہ کر لیا اور پھر اگر اس سے بھی زیادہ طاقتور کوئی اور قبیلہ ملا تو اس سے عہد و پیمان کر لیا اور پہلا معاہدہ توڑ دیا، اس آیت میں اس طریقہ کی مذمت اور معاہدہ کی پابندی کی تاکید کی گئی ہے۔ ؎۲ الانفال: ۷۱۔ ؎۳ التوبہ: ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشہور واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ابھی صلحنامہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ قریش کے نمائندہ سہیل بن عمرو کا بیٹا ابوجندل زنجیروں میں گھسٹتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچا اور آپ سے مدد طلب کی، لیکن چونکہ صلحنامہ میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ مکہ سے اگر کوئی مسلمان بھاگ کر ادھر آئے گا تو حضورؐ کے لیے اُس کو واپس کر دینا ضروری ہوگا۔ اس بنا پر اگرچہ حضرت عمرؓ جیسے مسلمانوں کو ناگواری ہوئی لیکن حضورؐ نے اس کی ذرا پرواہ نہ کی اور صلحنامہ کی دفعہ متعلقہ کے مطابق ابوجندل کو اسی حالت میں مکہ واپس کر دیا۔[1]

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ معاہدہ میں فریقین کے پلڑہ کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا پلڑا کبھی کمزور بھی ہو سکتا ہے اور کبھی بھاری بھی، اوّل کی مثال یہی صلح حدیبیہ ہے جس کا رنج صحابہ کو عموماً اور حضرت عمرؓ کو خصوصاً اس درجہ تھا کہ اس تاثر کے ماتحت آپ کی زبان سے چند الفاظ جو بیساختہ نکل گئے تھے اُن کا افسوس عمر بھر رہا۔ اس سلسلہ میں صلح حدیبیہ کا ہی یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابورافع ایک قبطی تھے، قریش نے گفت وشنید کے لئے ان کو بھی بھیجا تھا۔ خود ان کا بیان ہے کہ اب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو مجھے اسلام کی طرف رغبت محسوس ہوئی اور میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اب میں ہرگز قریش کی طرف واپس نہ جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا:

انی لا اخیس بالعھد ولا احبس	میں تو نہ عہد شکنی کرتا ہوں اور نہ قاصد کو قید کرتا ہوں، اس لئے
البرید ولکن ارجع فان کان فی نفسک	اب تم بہرحال واپس جاؤ پھر جو چیز اس وقت تمھارے دل
الذی فی نفسک الآن فارجع	میں ہے وہ اگر لوٹنے کے بعد بھی ہو تو واپس آجانا۔

اس ارشاد کے مطابق میں واپس چلا گیا اور اس کے بعد جب موقع ملا خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔[2]

اور دوسری صورت کی مثال وہ مصالحت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود اور نجران کے عیسائیوں کے ساتھ کی تھی بہرحال مسلمانوں کی پوزیشن کچھ ہی ہو، قرآن کا حکم یہ ہے کہ جب معاہدہ ہے تو اُس کی پابندی مکمل طور پر اور ایمان داری سے ہونی چاہیے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ	اور اپنا عہد و پیمان پورا کرو (قیامت کے دن)
كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل رکوع ۴)	اس کے بارہ میں پوچھ گچھ ہوگی۔

---

[1] صحیح بخاری۔ [2] سنن ابی داؤد جلد دوم کتاب الجہاد حدیث نمبر ۴۱۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام نے ان احکام کی پابندی اس طرح کی کہ امیر معاویہ اور اہلِ روم کے درمیان ایک معاہدہ تھا جو میعادی تھا، جب اس معاہدہ کی مدت ختم ہونے کے قریب آئی تو امیر معاویہ ایک لشکر جرار لے کر اس ارادہ سے روانہ ہوئے کہ معاہدہ کے ختم ہوتے ہی دھاوا بول دیں گے، ابھی یہ لشکر راستہ میں تھا کہ ایک صحابی جن کا نام عمرو بن عَبَسہ تھا اچانک سامنے کی طرف سے بھاگتے ہوئے یہاں پہونچے اور امیر معاویہ سے بولے: "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جن لوگوں کا کسی قوم سے عہد ہو تو وہ اُس کو اُس وقت تک فسخ نہ کریں جب تک معاہدہ کی مدّت نہ گذر جائے یا دونوں اُس کو برابر سرا بر فسخ کرنے پر رضامند نہ ہو جائیں" راوی کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی امیر معاویہ نے حملہ کا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں سے واپس ہو گئے۔ (سنن ابی داؤد کتاب الجہاد حدیث نمبر ۴۱۹ و ترمذی جلد اول)

دشمنانِ جنگجو | تیسری قسم اُس غیر مسلم ملک یا قوم و قبیلہ کی ہے جو نہ غیر جانبدار ہیں۔ اور نہ اُن سے مسلمانوں کا کوئی عہد و پیمان ہے، بلکہ وہ مسلمانوں کے درپئے آزار رہتے ہیں، اُن کے خلاف سازشیں کرتے اور گھر سے بے گھر کرتے ہیں، یہ لوگ قرآن کی اصطلاح میں " اربابِ اعتداء " ہیں۔ اعتداء دو قسم کا ہوتا ہے ایک بالقوۃ اور دوسرا بالفعل، اگر اعتدا بالقوہ ہو یعنی اگرچہ مسلمانوں پر ابھی تک کوئی حملہ نہیں ہوا ہے، لیکن ناقابلِ تردید ذرائع سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حملہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو قرآن میں حکم یہ ہے کہ اس کے جواب میں مسلمان بھی غافل نہ رہیں بلکہ پوری مستعدی اور بیدار مغزی کے ساتھ عصری آلاتِ حرب فراہم کرنے کی حسب استطاعت تیاری کریں۔ ارشاد ہے:۔

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال ۶۰)

اور مہیا کرو اُن سے جنگ کرنے کے لیے وہ سب کچھ طاقت اور گھوڑے جو تمھارے امکان میں ہو، تاکہ تم ان کے ذریعہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کرو۔

یہی وہ دشمن ہیں جن کی نسبت ایک اور مقام پر فرمایا گیا:۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ

جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اسے پسند کرتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور ساز و سامان سے غافل ہو تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مَّیۡلَۃً وَّاحِدَۃً۔ (النساء ۱۰۲) یہ لوگ تم پر اچانک حملہ کردیں۔

اسی سلسلہ میں یہ آیت بھی ہے جس میں ارشاد ہوا:۔

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡهِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ (الحدید ۲۰)

بے شبہ ہم نے اپنے پیغمبر کھلی ہوئی نشانیوں کے ساتھ بھیجے ہیں اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف قائم کریں اور ہم نے لوہا اتارا ہے جس میں سخت رعب داب ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں۔

یہ سب کچھ اعتدا بالقوۃ کے سلسلہ میں تھا! اب رہی اعتدا کی دوسری قسم بالفعل یعنی مسلمانوں پر پیچ پچ دھاوا بول دیا گیا اور اُن کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا گیا ہے تو اب قرآن کا حکم یہ ہے کہ تم ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرو، اور اُن کو شکست دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو، یہی وہ دشمنانِ جنگجو ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے:۔

اِنَّمَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَاَخۡرَجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ وَظٰهَرُوۡا عَلٰۤی اِخۡرَاجِکُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ ۚ وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔ (ممتحنہ)

جن لوگوں نے (اے مسلمانو) تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تم کو گھروں سے نکالنے پر تمہارے دشمنوں کی مدد کی ہے اللہ تم کو ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہے اور جو ان کے ساتھ دوستی کرے گا دراصل ظالم وہی ہوگا۔

اسلام اور مسلمانوں کے یہی وہ دشمن اور حریفانِ ناہنجار ہیں جن سے جنگ کرنے پر قرآن کی متعدد آیات میں مسلمانوں کو برانگیختہ کیا گیا ہے! ایک آیت میں فرمایا گیا:۔

وَمَا لَکُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ

اے مسلمانو! تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم جنگ نہیں کرتے اللہ کے لیے اور اُن کمزور مردوں اور بچوں کی خاطر جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا (نساء رکوع ۱۰) تو ہم کو اس آبادی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں۔

علاوہ ازیں قوم شمویل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا:۔

قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا (بقرہ رکوع ۳۲) ان لوگوں نے (اپنے نبی سے کہا) "ہم خدا کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم اپنے گھروں اور اولادوں سے جدا کیے گئے ہیں۔

حرب وقتال کے سلسلہ میں یہ وہ آیات ہیں جو محرکات و بواعث جنگ کو متعین کرتی ہیں، ان سب کا خلاصہ اس آیت میں بیان کر دیا گیا ہے:۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ (النساء آیۃ ۷۶) جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کے راستہ میں قتال کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ شیطان کے راستہ میں جنگ کرتے ہیں۔

یہ اللہ کا راستہ (سبیل اللہ) کیا ہے؟ قرآن نے اس کو مبہم نہیں رکھا۔ یہ نیکی اور احسان ضعیفوں اور کمزوروں کی مدد، دفع شر، رفع جور و ظلم، استیصال فتنہ و فساد، اور اقامت امن و امان کی راہ ہے۔

اب جب جنگ چھڑ جائے تو حکم ہے کہ مسلمان بہادروں کی طرح لڑیں اور اُس وقت تک نچلے نہ بیٹھیں جب تک شر و فساد کے بچھو کا ڈنک نہ مارا جائے، اس سلسلہ میں اس نوع کی آیات ہیں:۔

(۱) وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الانفال رکوع ۵) اور تم ان لوگوں سے اُس وقت تک جنگ کرو جب تک کہ فتنہ ختم اور دین کل کا کل اللہ کے لئے نہ ہو جائے۔

(۲) إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ۔ (الانفال رکوع ۱۰) اگر تم ایسا (یعنی جنگ) نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور عظیم فساد ہوگا!

سطور بالا میں جو آیات نقل کی گئی ہیں اُن کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے کہ ایک ملک کے دوسرے ملک کے ساتھ اور ایک قوم کے دوسری قوم کے ساتھ جو تعلقات ہوتے ہیں وہ تین قسم کے ہی ہوتے ہیں۔

(الف) غیر جانبداری اور ناطرفداری (NEUTRALITY) کے۔ قرآن نے اس کو "اعتزال" کہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ب) عہد و پیمان اور مصالحت و موادعت (TREATY OR ALLIANCE) کے۔

(ج) حرب و ضرب اور بغض و عداوت (WAR , HOSTILITY) کے۔

یہ تینوں حالتیں اور تعلقات کی یہ نوعیتیں مستقل بالذات ہیں، ایک دوسرے کے تابع اور اُس کی قسم نہیں، پس اب لامحالہ اقوام غیر کے دار بھی تین قسم کے ہوں گے اور یہ تینوں مستقل بالذات ہوں گے، اور ان کی ترتیب یہ ہوگی: (الف) دارالامن (ب) دارالعہد (ج) دارالحرب۔ اب اگر مسلمانوں کے ملک کو جسے دارالاسلام کہا جاتا ہے شامل کر لیا جائے تو دار کی قسمیں دو یا تین[3] نہیں بلکہ جیسا کہ ہم اس بحث کے شروع میں بتا چکے ہیں، چار[4] ہوں گی۔[1]

دارالحرب میں سکونت جائز نہیں | علاوہ ازیں اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جب دارالحرب کہتے ہی اُس ملک کو ہیں جس کی حکومت اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہو، مسلمانوں پر ظلم و تعدی کرتی ہو اور اس بنا پر دونوں میں جنگ بالفعل ہو یا جنگ کے سے حالات قائم ہوں تو اب مسلمانوں کے لیے اس ملک میں سکونت رکھنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ جیسا مولانا نانوتوی نے لکھا ہے (حوالہ گذر چکا) وہاں سے ہجرت واجب ہوگی، چنانچہ قرآن مجید کی آیتِ ذیل ایسے ہی مسلمانوں کے بارہ میں ہے جو دارالحرب سے ہجرت نہیں کرتے:۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ	جن لوگوں نے ہجرت نہ کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے جب
ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا	ان کو موت آئے گی تو فرشتے اُن سے کہیں گے "تمھیں
كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۔	کیا ہو گیا تھا" (جو ہجرت نہیں کی تھی) یہ کہیں گے، "ہم
قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ	ملک میں کمزور تھے" اب فرشتے کہیں گے "کیا اللہ کی

---

[1] افسوس ہے ہمارے مفسرین کرام کے ایک طبقہ نے ان آیات کو باہم ایک دوسرے سے ٹکرا دیا ہے اور اس بنا پر ان کو ان میں نسخ کا قائل ہونا پڑا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ آیاتِ قتال آیاتِ صلح و موادعت کے لیے ناسخ ہیں۔ انھیں مفسرین کے زیرِ اثر وہ فقہائے کرام ہیں جو اصل دار صرف دو قسم کے ہی مانتے ہیں، دارالاسلام اور دارالحرب اور پھر امن و امان یا عہد و پیمان کی کوئی صورت پیش آجاتی ہے تو اس کو دارالحرب کی ہی ایک قسم قرار دے دیتے ہیں، لیکن ہم نے جو تقریر کی ہے اُس کی روشنی میں تمام آیات اپنی اپنی جگہ قائم رہتی ہیں اور احکام میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی ان آیات کا منشا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○ (النساء رکوع ۱۴)

زمین وسیع نہیں تھی جو تم اُس میں ہجرت کرتے؟ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

ہجرت کے وجوب حکم سے اگر مستثنیٰ ہیں تو صرف وہ لوگ جو بیکس و بے بس ہیں اور جو نقل مکانی کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا گیا:

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۔ (النساء رکوع ۱۴)

مگر ہاں وہ کمزور مرد، عورتیں اور بچے جو کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور جنھیں کوئی راستہ ہی نہیں ملتا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا ممکن ہے انھیں معاف کر دے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

ایک لطیفہ مولانا محمد میاں سابق ناظم جمعیۃ علمائے ہند جو دار الحرب سے ہجرت کو واجب قرار نہیں دیتے انھوں نے ایک عجب کمال کیا ہے۔ قرآن میں ایک آیت ہے جس میں دار الحرب سے ہجرت نہ کرنے والوں کے خلاف اظہار بیزاری و ناراضگی کیا گیا اور بہ طور خفگی کے دار الاسلام کے مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ اچھا! اگر یہ لوگ ہجرت نہیں کرتے تو نہ کریں۔ یہ جانیں اور ان کا کام! اب اگر (دار الحرب میں رہنے کے باعث) ان کو کچھ نقصان بھی پہونچے تو اے دار الاسلام کے مسلمانو! تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔[1] مولانا نے اس سے عدم وجوب ہجرت پر استدلال کیا ہے۔[2] ذرا غور کیجئے تو یہ استدلال ٹھیک ایسا ہی ہے جیسے "لكم دينكم ولي دين" اور "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ" سے یہ ثابت کرنا کہ قرآن دین کے معاملہ میں ہر شخص کو اختیار دیتا ہے کہ وہ جو دین چاہے اختیار کرے۔

بہر حال قرآن سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ذی استطاعت مسلمانوں کے لیے دار الحرب میں سکونت اختیار کرنا حرام ہے اور جو ایسا نہیں کرتے ان کے لیے جہنم کی وعید شدید ہے۔ البتہ اس کے علاوہ جو اور دو دار ہیں یعنی دار الامان اور دار العہد اُن میں رہنا بسنا اور توطن جائز ہے۔

---

[1] وہ آیت یہ ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا۔ (الانفال رکوع ۱۰)

[2] ملاحظہ ہو الجمعیۃ دہلی مورخہ ۷ رمئی ۱۹۶۶ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک شبہ اور اس کا ازالہ یہاں ایک اشکال واقع ہوتا ہے، اُس کا دفع کرنا بھی ضروری ہے۔ اشکال یہ ہے کہ جب قرآن سے چار قسم کے دار ثابت ہوتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ کتبِ فقہ میں عام طور پر دارالاسلام اور دارالحرب صرف ان ہی دو داروں کا ذکر ملتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگرچہ مشہور یہ دو دار ہی ہیں لیکن امام شافعی اور امام محمد بن الحسن ایک تیسرا دار بھی مانتے تھے، چنانچہ السیرالکبیر میں امام محمد نے اس کا تذکرہ کرکے اسے دار موادعت بھی کہا ہے اور دارالعہد بھی۔ شیخ ابوزھرۃ اس کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

"ہمارے لیے یہ کہنا بالکل ممکن ہے کہ دارالعھد دارِ حرب نہیں ہوتا۔ اور اگرچہ اس پر بعض احکام دارالاسلام کے بھی جاری ہوتے ہیں لیکن درحقیقت یہ ایک مستقل بالذات دار ہوتا ہے"[1]

لیکن یہ جواب رفع اشکال کے لیے کافی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے، جیسا کہ شیخ محمد ابوزہرہ نے لکھا ہے :

"جو زمانہ اجتہاد اور فقہ کی تدوین و ترتیب کا تھا اُس میں صورتِ حال یہ تھی کہ عملاً تین قسم کے ہی دار تھے۔ ایک دارالاسلام، دوسرا دارالحرب اور تیسرا دارالعہد، چوتھا دار یعنی اُن لوگوں کا ملک جو ناطرفدار اور غیر جانبدار ہوں وہ ناپید تھا۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُس زمانہ میں جو غیر مسلم حکومتیں مسلمانوں کے اطراف واکناف میں تھیں، ان کی ریشہ دوانیوں کے باعث مسلمان اُن کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے اس بنا پر مسلمان ان حکومتوں سے مطالبہ کرتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ عہد و پیمانِ امن کریں، اور اگر انھیں یہ منظور نہیں ہے تو اب اُن کے لئے اسلام یا جنگ، یہ صرف دو راہیں کھلی ہوئی ہیں جس کو چاہیں اختیار کرلیں"[2]

یہی بات عہدِ حاضر کے نامور عالم اور محقق شیخ عبدالقادر عودہ نے کہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"اسلامی نظریات جو تمام بلادِ اجنبیہ کو ایک دارِ حرب قرار دیتے ہیں۔ باوجودیکہ ان کی حکومتیں مختلف ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مسلمان۔ ترکستان۔ روس۔ ہند۔ اسپین۔ فرانس اور روم ان سب ملکوں کی حکومتوں سے جنگ کررہے تھے۔ اس بنا پر وہ ان سب ملکوں کو اور ان کے علاوہ دوسرے ملکوں کو بھی دارِ حرب کہنے لگے۔"[3]

---

[1] مقالہ "العلاقات الدولیۃ فی الاسلام" مطبوعہ الازہر بابت مارچ ۱۹۶۴ء ص ۲۸۰

[2] ایضاً ص ۲۷۶ - [3] التشریع الجنائی الاسلامی جلد اول ص ۲۹۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بنا پر ہمارے علماء کو یہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ عہد بنی عباس کے اوائل میں فقہائے کرام نے دار کی جو تقسیم کی اور اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ اُس زمانہ کے مخصوص وقتی اور مقامی حالات کا نتیجہ ہے جب کہ جنگ کی بنیادی وجہ مذہب ہوتا تھا اور اسی بنیاد پر مسلمان ایک عالمگیر جنگ سے دوچار تھے۔ یہ حالات کا دباؤ کس قدر شدید ہوتا اور فکر و نظر کے سانچے اور پیمانے کس طرح بدل دیتا ہے؟ اس کی ایک دلچسپ مثال ملاحظہ فرمائیے:

حالات کے دباؤ کی ایک عجیب مثال صلح حدیبیہ کے ذکر کے سلسلہ میں آپ اوپر ابو رافع قبطی کا واقعہ پڑھ آئے ہیں کہ یہ قریش کی طرف سے سفیر بن کر آئے تھے، لیکن حضور انور کو دیکھتے ہی انھوں نے اسلام کو قبول کرنا چاہا، اور عرض کیا کہ اب میں قریش کی طرف واپس نہیں جاؤں گا۔ لیکن حضورؐ نے ان کو یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی۔ انھیں واپس کر دیا اور فرمایا "میں نہ بدعہدی کرتا ہوں اور نہ قاصدوں کو حبس کرتا ہوں" اس واقعہ کو اور اس کے ساتھ ہی قرآن مجید میں وفائے عہد کے جو احکام بڑی تاکید کے ساتھ ہیں ان سب کو سامنے رکھ کر سوچیے کہ اس طرح کا معاملہ جب کبھی پیش آئے تو اُس وقت اسلامی حکومت کا عمل کیا ہونا چاہیے؟ حضورؐ چونکہ ہر معاملہ میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں اس بنا پر یقیناً اسلامی حکومت کو وہی کرنا چاہیے جو اس واقعہ میں آپؐ نے کیا۔ لیکن اسے کیا کہیے کہ امام ابو داؤد اپنی سنن میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

هذا کان فی ذالك الزمان والیوم لا یصلح — یہ اُس زمانہ میں تھا مگر آج یہ مناسب نہیں ہے۔

اس عبارت کا مطلب کیا ہے؟ اسے شارح سنن ابی داؤد کی زبان سے سنیے۔ فرماتے ہیں:

والمراد بهذا الکلام ان من جاءَ	اور اس کلام سے مراد یہ ہے کہ کفار کی طرف سے
من الکفار الی الامام رسولاً	اگر کوئی شخص امام کے پاس سفیر بن کر آئے اور
فاسلم واراد ان لا یرجع الی الکفار	مسلمان ہو جائے اور واپس نہ جانے کا ارادہ
لا یرده الامام الیهم۔ واما ان	کرے تو امام اُس کو واپس نہ کرے۔ اب رہی یہ
رسول الله صلی الله علیه وسلم	بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع
لم یحبس ابا رافع وهو من	کو نہیں روکا تھا تو یہ اُن چیزوں میں سے ہے جو
المخصوص به صلی الله علیه وسلم۔[1]	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں۔

[1] بذل المجہود جلد ۴ ص ۵۶ مطبوعہ جید برقی پریس۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت یہ ہے۔ جیسا کہ میں نے میکگل یونیورسٹی میں ایک لکچر میں کہا تھا۔ تاریخ مذاہب عالم کا یہ بڑا دردانگیز سانحہ ہے کہ مذہب جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے ماننے والوں کو ایک خاص تربیت دے کر ایک سوسائٹی پیدا کرتا ہے، یہ سوسائٹی ایک تاریخ پیدا کرتی ہے، لیکن دو تین نسلوں کے بعد تاریخ مذہب کی جگہ لے لیتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مذہب اپنی اصل شکل وصورت میں نظرانداز ہوجاتا ہے اور پھر جتنے فیصلے ہوتے ہیں، وہ سب تاریخ کی روشنی میں ہوتے ہیں، چنانچہ اسلام کے ساتھ بھی معاملہ یہی پیش آیا۔ علم الکلام۔ فقہ۔ تصوف، اور تاویل یہ وہ چیزیں ہیں جن کو تاریخ نے پیدا کیا ہے لیکن یہ ہی چیزیں ہمارے فکر ونظر کا معیار بن گئی ہیں، اور قرآن وسنت جو مذہب کے اصل سرچشمے ہیں اُن کی حیثیت ثانوی ہوگئی ہے: یعنی اگر آپ مثلاً حنفی ہیں تو وہی کہیں گے جو فقہائے احناف نے کہا ہے اور پھر قرآن وسنت سے اس کے لیے ثبوت فراہم کریں گے، حالانکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ پہلے آپ براہِ راست مخلا بالطبع ہوکر قرآن وسنت کی روشنی میں غور کریں اور اس کے بعد فقہا کے اقوال کا جائزہ لیں۔

بہرحال اب جبکہ یہ ثابت ہوگیا کہ دار ازروئے قرآن دو یا تین نہیں بلکہ چار ہیں اور ہر دار کسی کی قسم نہیں بلکہ مستقل بالذات ہے اور ان کے احکام الگ الگ ہیں تو اب موقع ہے کہ اصل سوال کا جواب دیا جائے یعنی یہ کہ اچھا! جب ہندوستان دارالحرب نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہندوستان جس طرح دارالحرب نہیں ہے۔ دارالاسلام بھی نہیں ہے اور دارالعہد اور دارالامن بھی نہیں ہے۔ کیوں؟ (باقی آیندہ)

اسلام کا نظامِ حکومت

مؤلفہ: مولانا حامد الانصاری صاحب غازی

یہ عظیم الشان کتاب اسلام کا نظامِ حکومت ہی پیش نہیں کرتی بلکہ نظریۂ سیاست وسلطنت بھی منظرِ عام پر لاتی ہے اور صدیوں سے جو غلط نظریئے اسلام کی طرف منسوب ہوگئے ہیں ان کی تردید کرتی ہے۔ سالہا سال کی عرق ریزی کا محققانہ نتیجہ۔

• صفحات ۴۶۴ • قیمت -/۶ جلد -/۷

مکتبۂ بُرہان اُردو بازار جامع مسجد، دہلی ۶

© rasailojaraid.com